© rasailojaraid.com

سید عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمۃ اللہ علیہ)

(وفات: ۲۱راگست ۱۹۶۱ء)

''کے۔ایل۔گابا (کنہیالال گابا) متحدہ ہندوستان کے معروف اور قابل قانون دان (بیرسٹرایٹ لا) تھے۔ایک دولت مند ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے بیوی بچوں سمیت مسلمان ہو گئے۔مولانا محمد علی جوہر نے کلمہ پڑھایا اور علامہ اقبال نے ان کا نیا نام ''خالد لطیف گابا'' رکھا۔اس طرح قبولِ اسلام کے بعد بھی وہ کے۔ایل۔گابا کے نام سے پکارے جاتے رہے۔ ۱۹۳۵ء کے انتخابات میں مجلس احرارِ اسلام نے اُن کی حمات کی اور وہ کامیاب ہوکر اسمبلی میں پہنچ گئے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی ایک کتاب لکھی۔زیرِ نظر مضمون اُن کی خودنوشت سوانح ''اپنے اور پرائے'' سے ماخوذ ہے۔حضرت امیر شریعت کے خلاف مشہور مقدمہ بغاوت ۱۹۳۹ء (لدھارام کیس) میں ان کی طرف سے پیروی کی اور وہ باعزت بری ہوئے۔'' (مدیر)

سریندر ناتھ بینرجی، سری نواس شاستری، لالہ لاجپت رائے، مسز سروجنی نائیڈو، محمد علی جناح اور عطاء اللہ شاہ بخاری، ہندوستان کے عظیم خطیبوں کی صف میں شامل تھے۔کئی پہلوؤں کے لحاظ سے عطاء اللہ شاہ بخاری ایک زمانے میں ہندوستان کے ایک انتہائی خوف ناک قسم کے مقرر تھے۔اپنے عروج کے دور میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ان کے لیے تین چار گھنٹوں کا خطاب، ایک عام بات تھی۔لوگوں کا ایک بڑا ہجوم، بعض اوقات ساٹھ ہزار افراد، نہایت صبر وتحمل کے ساتھ ان کی تقریر سننے کا منتظر رہتا۔عشا کی نماز کے بعد وہ جلسہ گاہ میں تقریر کے لیے داخل ہوتے اور پھر صبح سویرے جلسہ گاہ سے چلے جانے سے انکار کے باوجود اپنے سامعین کو گھروں میں جانے کے لیے کہتے تاکہ یہ لوگ اپنی نیند پوری کر سکیں۔وہ چاہتے تو سامعین کو ہنسا دیتے، چاہتے تو رُلا دیتے، وہ چاہتے تو سامعین میں محبت پیدا کر دیتے اور چاہتے تو ان کے دل نفرت سے بھر دیتے۔یہ سب کچھ وہ اس قدر آسانی کے ساتھ انجام دے سکتے تھے جس قدر آسانی کے ساتھ وہ اپنے سامعین میں پیار، ہمدردی اور رحم دلی کے جذبات پیدا کر سکتے تھے۔

عطاء اللہ کا لب ولہجہ اور تلفظ عربی تھا۔وہ عربی، فارسی، اردو بول سکتے تھے۔وہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور احمدیوں (قادیانیوں، مرزائیوں) کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔وہ کئی سال تک کانگرس کے ایک رہنما رہے اور کئی دفعہ قید خانے بھی گئے۔بہر حال انہوں نے اپنی ان صلاحیتوں، نظریات اور قربانیوں پر کبھی فخر نہیں کیا اور نہ ہی ان سے کبھی ناجائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ اٹھایا۔ آزادی کے بعد، کانگرس نے قومی آزادی کے ضمن میں جہاں تک ہوا مسلمانوں کے کردار کو کم کر کے پیش کرنے کی کوشش کی۔ عطاء اللہ بھی ان افراد میں سے تھے جنھوں نے قومی آزادی میں ایک عظیم کردار ادا کیا لیکن بے صلہ رہے۔

عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ ریاست بہاول پور میں گزارا جہاں ان کے پیرو کار کافی تعداد میں موجود تھے۔ ایک مذہبی قائد کی حیثیت سے اُنہیں ریاست کے حکمران، نواب کی سرپرستی حاصل تھی۔[1] بخاری سیاست کے بجائے دینی امور پر بات چیت کو زیادہ پسند کرتے تھے، لیکن کانگرس اور ملک کی پکار پر وہ اپنے حجرے سے نکلے اور ستیا گرہ تحریک کی حمایت میں (دوسروں کو انتخاب جتوانے)، ایک شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے ملک کے لیے قربانی کے جذبات ابھارنے اور عوام کو سیاسی بے حسی سے باہر نکالنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

جب ہندوستان بھی دوسری جنگِ عظیم میں کود پڑا تو پھر عطاء اللہ بخاری بھی انگریز کے مخالف کی حیثیت سے سامنے کھڑے تھے۔ اس وقت پنجاب کا وزیرِاعظم سر سکندر حیات خان تھا جو انگریزوں کا زبردست حامی تھا۔ سید عطاء اللہ بخاری نے موسم گرما ۱۹۳۹ء میں بہت سی تقاریر کیں اور راولپنڈی میں کی گئی ایک تقریر کے باعث ان کے لیے پھانسی کی سزا کی بنیاد تیار کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔

لیکن بخاری ایک عام شخص نہ تھے، لہٰذا (جیسا کہ مبینہ طور پر اس وقت کہا جاتا تھا) سیکرٹریٹ میں، اپنے زمانے کے نہایت شعلہ نوا اور خطرناک خطیب سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک شیطانی منصوبہ بنایا گیا۔ ان پر شہنشاہ کے خلاف اعلانِ جنگ، یعنی غداری کا الزام تھوپ دیا گیا جو اس وقت فوجداری قانون کے تحت سب سے شدید جرم تھا، جس کی سزا موت یا عمر قید تھی۔

جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد سید عطاء اللہ بخاری کو تعزیرات ہند (شہنشاہ کے خلاف اعلان جنگ) کی دفعہ ۱۲۱ کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور یہ احکامات حکومت پنجاب کی طرف سے جاری کیے گئے تھے اور پھر انہیں کئی مہینوں تک زیرِ سماعت قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں بند رکھا گیا۔ اور سنگین جرم کے باعث ضمانت پر رہا کرنے سے بھی انکار کر دیا گیا۔ الزام یہ لگایا گیا تھا کہ بخاری نے راولپنڈی میں ۳؍جون ۱۹۳۹ء کی رات کو ایک تقریر کی جس میں دیگر چیزوں کے علاوہ انہوں نے انگریزوں کی طرف سے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کے ظالمانہ قتل کا ذکر کیا، اور اب وقت آن پہنچا ہے کہ ہندوستان میں سے برطانوی راج کا خاتمہ کیا جائے۔ جس کے باعث ہندوستان کی آزادی کو پہلے ہی بہت نقصان پہنچ چکا ہے اور اب صرف ہندوستانیوں کو ہمت وارادہ اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہے تا کہ ملک سے غیر ملکی ظالموں اور قصابوں

[1] موصوف کو سہو ہوا ہے۔ صرف ریاست نہیں بلکہ پورا جنوبی پنجاب خاص طور پر ان کی جولان گاہ تھا۔ اس لیے کہ یہاں انگریز کی غلامی کے اثرات زیادہ تھے۔ خود اُنہی کے بقول: ''جدوجہد آزادی کے سفر میں ہندوستان کا چپہ چپہ چھان مارا، میں وہاں پہنچا جہاں دھرتی پانی نہیں دیتی تھی۔'' انہیں کسی نواب یا جاگیردار کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ ریکارڈ پر موجود ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے نواب بہاول پور کی طرف سے پیش کیے گئے دس ہزار روپے یہ کہہ کر واپس کر دیے تھے کہ ''فقیر کو ایک روٹی صبح اور ایک شام مل جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔'' (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نکال باہر کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ''مارو یا مر جاؤ''۔ یہ تقریر شہنشاہ معظم کے خلاف اعلانِ جنگ تھی، باغیانہ تھی اور تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۱۲۴ اور ۱۲۱ کے تحت قابلِ سزا تھی۔

سیاسی طور پر یہ معاملہ بہت ہی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ عمومی طور پر یہی سمجھا جا رہا تھا کہ حکومت انہیں سزا دلوانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گی۔ لہٰذا میں نے اپنی طرف سے بخاری کی جدوجہد کا اعتراف کرنے کے لیے، مسلمانوں کا دفاع کرنے کے لیے سوچا لیکن مجھے یہ بھی علم تھا کہ یہ معاملہ انتہائی ذمہ داری کا حامل ہے، اور اس معاملے میں عوام بہت زیادہ حد تک ملوث ہو چکے ہیں اور عطاء اللہ شاہ بخاری اس وقت اپنی مقبولیت کے عروج پر تھے۔ اس وقت فضا جس قدر کشیدہ اور جذباتی سمجھی جاتی تھی، یہی سمجھا جا رہا تھا کہ یہ صورتِ حال اب دو طاقت ور شخصیتوں کے درمیان جنگ کی شکل اختیار کر چکی ہے، یعنی سر سکندر حیات وزیراعظم، جو ایک بے رحم منتظم تھا اور دوسری شخصیت ایک بے باک، معزز اور مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن تھی۔

راولپنڈی کے ایک مجسٹریٹ نے ابتدائی تفتیش کی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو غداری اور اعلانِ جنگ کے الزامات کا مرتکب قرار دیا۔ اس معاملے کی اہمیت کے پیشِ نظر لاہور ہائی کورٹ نے سماعت لاہور منتقل کر دی اور حکم جاری کیا کہ اس مقدمے کی سماعت لاہور کے سیشن جج ڈی فالشا کے ذریعے ہوگی۔ (بعد ازاں لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس)

فالشا میں تحمل اور برداشت بالکل موجود نہیں تھی اور وہ صبر کا دامن بہت جلد ہاتھ سے چھوڑ دیتا تھا، اس لیے اس کے سامنے دلائل کا بیان ایک مشکل امر ہوتا تھا۔ لیکن کوئی بھی وکیل جو اس کے مزاج کو سمجھ جاتا، وہ اسے ایک بہترین جج پاتا جو ہر قسم کے تعصب سے مبرا ہوتا۔ کسی فوجداری مقدمے میں کوئی بھی ملزم فالشا کے علاوہ اعلیٰ عدالتی معیار اور ایمانداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس مقدمے کی سماعت کا آغاز سیشن عدالت کے مرکزی کمرۂ عدالت میں ہوا جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ فالشا کے ساتھ چار عدالتی معاونین تھے۔ عبدالعزیز (بعد ازاں لاہور ہائی کورٹ کا جج) تاج برطانیہ کی طرف سے استغاثہ کا خاص وکیل مقرر کیا گیا تھا۔ ملزم عطاء اللہ بخاری کا وکیل بذاتِ خود میں تھا اور میری اعانت کے لیے راولپنڈی کا ایک وکیل چودھری مراد علی موجود تھا۔ چودھری مراد علی ایک بہت ہی مفید معاون ثابت ہوا اور اسے ذاتی طور پر اس معاملے کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل تھیں، اس لیے میں نے ایک غیر متوقع قدم اٹھاتے ہوئے اسے صفائی کا گواہ بنانے کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔ خوش قسمتی سے میرا یہ قدم درست ثابت ہوا اور مراد علی نے ججوں اور عدالتی معاونین کو بہت متاثر کیا۔ بہر حال سماعت ختم ہونے سے پہلے بہت سے گواہان پر بھی جرح کی گئی۔ صفائی کے گواہوں میں شمال مغربی سرحدی صوبے کا وزیراعظم ڈاکٹر خان صاحب بھی شامل تھا۔

عطاء اللہ شاہ بخاری کو بری کر دیا گیا۔ اس پر سب سے پہلے انہوں نے میرے دونوں رخساروں پر بوسہ دیا اور کمرۂ عدالت میں موجود لوگ بہت ہی خوش ہوئے۔ فالشا نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

(''اپنے اور پرائے''، کے۔ ایل۔ گابا۔ صفحات: ۲۹۰ تا ۲۹۳)

مترجم: ریاض محمود انجم

فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء

© rasailojaraid.com